تکبر سے بچیں اور عاجزانہ راہوں کو اختیار کریں

حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے لقائے باری تعالیٰ حاصل کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ / اپریل ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

گزشتہ دو جمعوں سے لقاء باری تعالیٰ کا مضمون چل رہا ہے اور میں نے یہ بیان کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کو پانے کی ایک بہت ہی پیاری راہ عجز کی راہ ہے۔ ویسے تو جیسا کہ میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھ کر سنائی تھی۔ خدا کو پانے کی بہت سی راہیں ہیں بلکہ لاتعداد راہیں ہیں اور ان کی طرف بسا اوقات انسان کے ذہنی تصرف کے بغیر دروازے کھلتے ہیں، بعض قلبی کیفیات انسان کی زندگی میں ایسی اس پر طاری ہوتی ہیں کہ جن کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کی طرف دل لپکتا ہے اور یہ جو وصال کی راہیں ہیں یہ اس موقع کی مناسبت سے دل کے اس تعلق کے نتیجے میں کھلتی ہیں۔ پس وہ جو کھڑکی کسی ایک راہ کی طرف کھل رہی ہے یا وہ در جو ایک راہ کی طرف کھل رہا ہے اس میں انسان کا تصرف کوئی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اس کی دل پر نظر پڑتی ہے اور دل کی جنبش کے نتیجے میں یہ دروازے کھلا کرتے ہیں۔ لیکن اس مضمون کو سمجھنا پھر بھی ضروری ہے کیونکہ اس مضمون کو سمجھنے کے نتیجے میں وہ روکیں دور ہوتی ہیں جو دل کو خدا کے لئے متحرک کرتی ہیں اور انسان زیادہ عرفان کے ساتھ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہوں کی تلاش کر سکتا ہے اور ان میں قدم آگے بڑھا سکتا ہے۔

عجز کے ذکر میں میں نے یہ بتایا تھا کہ اس کا برعکس یعنی تکبر بھی غور کے لائق ہے کیونکہ بسا اوقات انسان اپنے آپ کو عاجز سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اس میں تکبر کا ایک پہاڑ چھپا ہوا ہوتا ہے ۔ لوگ اس محاورے سے تو واقف ہیں کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو دکھائی نہیں دیتا دوسرے کی آنکھ کا تنکا دکھائی دے دیتا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تکبر پر اس سے بہت بڑھ کر مثال صادق آتی ہے ۔ تکبر اگر پہاڑ کی شکل میں بھی انسان میں موجود ہو تو بسا اوقات اس سے مخفی رہ جاتا ہے ۔ اس ضمن میں ہمارے ایک احمدی شاعر مکرم چوہدری محمد علی صاحب جو سائیکالوجی کے پروفیسر تھے، ان کی ایک نظم کا ایک مصرعہ خصوصیت سے مجھے بہت ہی پسند آیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

ع آنکھوں میں ہیں انا کے ہمالے پڑے ہوئے۔

یعنی اپنی آنکھوں میں انا کے ہمالے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو نظر نہیں آ رہے ۔ پس متکبر کو ہر دوسری چیز دکھائی دے رہی ہوتی ہے اپنا تکبر دکھائی نہیں دیتا اس لئے ایسے مریضوں سے جب مجھے واسطہ پڑتا ہے جن کو یہ سمجھانا ہو کہ آپ متکبر ہو رہے ہیں اپنی فکر کریں ورنہ یہ ہلاکت کی راہ ہے تو سب سے زیادہ مشکل ان کو یہ سمجھانے میں پڑتی ہے کہ آپ کے اندر تکبر کا مادہ پایا جاتا ہے کیونکہ وہ شخص اپنے آپ کو عام طور پر عاجز سمجھ رہا ہوتا ہے۔

بہر حال یہ مضمون ایسا ہے جس پر مزید وضاحت سے روشنی کی ضرورت ہے ۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صاحب تجربہ عارف باللہ کے طور پر جو تکبر کا ذکر فرمایا ہے اس میں سے چند اقتباسات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔ منظوم کلام میں بہت سی جگہ آپ نے اس مضمون کو چھیڑا ہے ۔ چند شعر یہ ہیں جو میں آپ کے سامنے آج پڑھ کے سناتا ہوں ۔

ے جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے ! یہ نسخہ بھی آزما
شوخی و کبر دیو لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے

اے کرم خاک چھوڑ دے کبر وغرور کو
زیبا ہے کبر حضرت ربّ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑ وغرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولا اسی میں ہے (درثمین صفحہ:۱۱۲، ۱۱۳)

پھر فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن شرک کے بعد تکبر جیسی اور کوئی بلا نہیں یہ ایک ایسی بلا ہے جو دونوں جہان میں انسان کو رسوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا رحم ہر ایک موحد کا تدارک کرتا ہے مگر متکبر کا نہیں............''

یہ لفظ موحد ہی لکھا ہوا ہے مگر ہوسکتا ہے کوئی اس میں لفظ چھوٹ گیا ہو۔ موحد کے مرض کا (تدارک) مراد معلوم ہوتی ہے ہر توحید پرست کی بیماریوں کا ازالہ فرماتا ہے مگر متکبر کا نہیں۔

''......شیطان بھی موحد ہونے کا دم مارتا تھا مگر چونکہ اس کے سر میں تکبر تھا اور آدم کو جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پیارا تھا جب اس نے توہین کی نظر سے دیکھا اور اس کی نکتہ چینی کی اس لئے وہ مارا گیا اور طوق لعنت اس کی گردن میں ڈالا گیا۔ سو پہلا گناہ جس سے ایک شخص ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوا تکبر ہی تھا''۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد:۵، صفحہ:۵۹۸)

یعنی شیطان کے موحد ہونے کے باوجود تکبر اس کی ہلاکت کا موجب بن گیا۔ پھر فرماتے ہیں:

''میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے۔ پس مجھ سے سمجھ لو میں خدا کی روح سے بولتا ہوں۔ ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنر مند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سر چشمۂ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور

اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر ہنر عقل اور علم اور ہنر دے دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ وحشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ وحشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایکدم میں اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ (التین:٦) میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے۔ یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ **ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے......**‘‘

یہ ایک بہت ہی اہم مضمون ہے جس کے متعلق کچھ مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر یہ محاورہ ہے کہ اب تو ہمارا کچھ بھی نہیں رہا اس لئے دعا کرتے ہیں۔ اب تو کوئی اور شکل نہیں باقی رہی گویا اس سے پہلے وہ خود اپنے کفیل تھے اور اس فقرے کے اندر ایک تکبر پوشیدہ ہے اور دعا کی قبولیت کا مانع رجحان اس میں پایا جاتا ہے۔ پس حقیقی طور پر دعا کے مضمون اور مفہوم کو سمجھنے والا وہی انسان ہے جو طاقتوں کے باوجود یہ یقین رکھتا ہو کہ ان طاقتوں میں فی ذاتہٖ کچھ حاصل کرنے کی استطاعت نہیں جب تک خدا کا فضل شامل حال نہ ہو۔ اس لئے یہ جو تکبر کا مضمون ہے اس کو آپ دیکھیں تو کتنا باریک تر ہوتا چلا جاتا ہے اور تکبر دکھانے کے لئے بھی ایک عارف باللہ کی انگلی چاہئے۔ جس نے اپنے وجود کا بہت ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے گردوپیش کا بھی

بہت باریک نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ کوئی انسان جس میں صداقت کا ایک ذرا سا بھی بیج ہو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قسم کے کلام کو پڑھنے کے بعد وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص جھوٹا ہوسکتا ہے کیونکہ تقویٰ کی یہ باریک راہیں سوائے اعلیٰ درجے کے صداقت شعار لوگوں کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا کرتیں۔ پس دیکھیں! کس طرح آپ ہماری اصلاح فرماتے ہیں ہمیں تقویٰ کی باریک راہیں دکھاتے ہیں۔ ان خطرات سے آگاہ کرتے ہیں جو ہمیں روز در پیش ہوتے ہیں اور ہم ان سے اپنی آنکھیں بند کئے رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''......وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سر چشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ تو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے''

تصحیح منع نہیں یعنی کسی کو درست کرنا لیکن رجحان ہے جو یہ فیصلہ کرے گا کہ وہ خدا کی نظر میں پسندیدہ فعل تھا یا برا فعل تھا۔ ایک تصحیح ہے جیسا کہ میں پہلے بھی جماعت کو متوجہ کر چکا ہوں۔ جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں سمجھائی کہ جب نماز میں امام غلطی کرے تو سبحان اللہ کہا کرو۔ کیسی پیاری تصحیح ہے۔ یہ بتایا گیا کہ صرف اللہ پاک ہے۔ نہ تصحیح کرنے والا غلطی سے پاک ہے، نہ وہ پاک ہے جس کی تصحیح کی جارہی ہے اور اللہ پاک ہے۔ تو تصحیح کے ساتھ ہی انکسار کا نسخہ بھی دے دیا اور تکبر سے بچنے کی راہ بھی دکھادی۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ تکبر کے ساتھ جو تصحیح کرتا ہے اس نے تکبر کیا ہے ورنہ تصحیح اپنی ذات میں کوئی برا فعل نہیں۔ ہمیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ہم کسی بھائی کی درستی کریں تو نعوذ باللہ وہ تکبر ہوگا۔ کس انداز میں درستی کرتے ہیں۔ یہ ہے جو فیصلہ کن بات ہے کہ کوئی انسان متکبر ثابت ہوتا ہے یا عاجز ثابت ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کسی انسان کی تصحیح کی طرف آپ توجہ کرتے ہیں اور استغفار بھی کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ غلطی اس سے ہوئی ہے، کل مجھ سے بھی ہوئی تھی۔ میں اس بات کا اہل بھی ہوں کہ نہیں کہ اس کی تصحیح

کرسکوں، ایک یہ رجحان ہے، ایک یہ ہے کہ میں نے پکڑ لیا اس کو، یہ بڑا بنا پھرتا تھا اپنا یا جماعت کا عہدیدار فلاں یا فلاں شخص۔ اب میں اس کو بتاتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے؟۔ تو ان دونوں باتوں میں، دونوں رجحانات میں زمین آسمان کا فرق ہے حالانکہ امر واقعہ وہی رہتا ہے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے۔ وہ برحق ہے۔

پس یہ ہیں وہ باریک راہیں جن پر چل کر آپ پہلے اپنے تکبر کو مٹائیں کیونکہ متکبر خدا کی راہوں میں داخل نہیں ہوتا، متکبر کو رفعتوں کے آسمان نصیب نہیں ہوتے یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ اس فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

> ''ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے اُس نے بھی **تکبر سے حصہ لیا ہے۔** ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دُعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصّہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے **ماموراور مرسل** کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصّہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے ماموراور مُرسل کی باتوں کو **غور سے نہیں سنتا** اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصّہ تکبّر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اُس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم **پر رحم ہو۔** (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ: ۴۰۳)

پھر آپ فرماتے ہیں:

> ''یاد رہے کہ تکبر کو جھوٹ لازم پڑا ہوا ہے بلکہ نہایت پلید جھوٹ وہ ہے جو تکبر کے ساتھ مل کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہ، متکبر کا سب سے پہلے سر توڑتا ہے''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵، صفحہ: ۵۹۹)

تکبر کا جھوٹ کے ساتھ جو رشتہ ہے یہ ایک بہت ہی حیرت انگیز مضمون ہے جس کے اوپر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لب کشائی فرمائی ہے اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ جب غور کر کے تجزیہ کریں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ کس طرح تکبر اور جھوٹ کا چولی دامن کا ساتھ رہتا ہے۔ تکبر ایسی بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''یاد رکھو تکبر شیطان سے آتا ہے اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو یہ قبول حق اور فیضان الوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے......''

یہ فقرہ غور کے لائق ہے کہ تکبر شیطان سے آتا ہے اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ آپ غور کریں تو شیطان بنا ہی تکبر سے تھا۔ اس کا آغاز ہی تکبر سے ہوا تھا اور اس کا انجام شیطانیت پر تکبر کے نتیجہ میں ہوا۔ پس شیطان ہی سے تکبر آتا ہے اور بالآخر انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔

''جب تک انسان اس سے دور نہ ہو یہ قبول حق اور فیضان الوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ نہ علم کے لحاظ سے، نہ دولت کے لحاظ سے، نہ وجاہت کے لحاظ سے، نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے کیونکہ زیادہ تر انہی باتوں سے یہ تکبر پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔''

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ: ۲۱۲)

قرآن کریم نے جہاں تکبر کا بکثرت ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات پر اگر آپ غور کریں تو تکبر کی بہت سی باریک راہوں پر آپ اطلاع پا سکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ بظاہر ایک ہی مضمون بار بار دہراتا ہے لیکن جب آپ سیاق و سباق پر غور کریں اور آیات میں معمولی تبدیلیوں پر غور کریں تو تب آپ کو یہ سمجھ آتی ہے کہ ایک ہی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک مضمون کی مختلف شاخوں پر بحث ہو رہی ہے اور مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے ایک مضمون کو

زیادہ روشن اور واضح کر کے دکھایا جارہا ہے۔قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے جو دو وقت کی رعایت سے میں نے آج چنی ہیں۔ ایک دو اور ہیں شاید بعد میں ان کا ذکر آجائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

(الاعراف:۱۴۷)

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ میں ان لوگوں کے منہ اپنے نشانات سے اور اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں تکبر کرتے ہیں اور ان کو اس بات کا کوئی حق نہیں۔ پس سب سے بڑا نقصان متکبر کا یہ ہے کہ وہ ان نشانات کو جو قدرت میں ہر طرف پھیلے پڑے ہیں ان کو دیکھ کر ان سے استفادہ نہیں کرسکتا اور ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ وہ اپنی آنکھیں ان کو دیکھتے ہوئے پھیر لیتا ہے۔ پس ایک دنیادار کا قانونِ قدرت کا مطالعہ اسی وجہ سے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیتا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری ذاتی عظمت ہے کہ میں نے یہ باتیں معلوم کی ہیں۔ ہر دریافت کے نتیجے میں اس کی انا بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دیکھو میں نے دنیا کو یہ دولت دی ہے کہ میں یہ راز سمجھ گیا ہوں حالانکہ اگر عرفان میں تکبر نہ ہوتا تو ہر مطالعہ اس کو زیادہ عاجز کرتا چلا جاتا ہے۔ پس سائنس کی دنیا میں بھی ہمیں ایسے عاجز بندے دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے جتنا زیادہ خدا کے رازوں پر سے پردے اٹھانے کی سعادت پائی اتنا ہی زیادہ وہ عاجز اور منکسر المزاج ہوتے چلے گئے۔ نیوٹن کا وہ فقرہ آج تک دنیا کے لٹریچر میں بارہا Quote کیا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی آخری عمر میں کہا کہ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ میں نے بہت کچھ دریافت کرلیا بہت سے علوم سے پردے اٹھائے، ایک نیا جہان زاویۂ نگاہ کا تمہیں بخشا ہے لیکن میں جب اپنے اوپر غور کرتا ہوں اور اپنی علمی

حالت کا جائزہ لیتا ہوں تو اس بچے کی طرح اپنے آپ کو پاتا ہوں جو علم کے سمندر کے کنارے گھونگھوں کی تلاش میں پھر رہا ہو اور کوئی گھونگھا اٹھاتا ہے اور کان سے لگا کر سنتا ہے کہ دیکھیں اس کے اندر کیا چیز ہے جبکہ ابھی وہ سمندر میں داخل ہی نہیں ہوا، پہلا قدم بھی اس نے نہیں رکھا۔

پس قانون قدرت نے اپنے جو راز خود باہر پھینک دیئے ہیں ان پر نظر کرنے والا سائنسدان اگر متکبر ہو تو وہ کسی رنگ میں بھی خدا کے وصل کا فیض نہیں پا سکتا لیکن اگر اس میں عجز ہو تو اس کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی ہے کہ کسی حد تک وہ خدا کو پالے؟ یہ دوسری باتیں ہیں جو اثر انداز ہوتی ہیں لیکن کم سے کم اس کے لئے ایک راہ کھل جاتی ہے وہ چاہے تو اس راہ پر آگے قدم بڑھا سکتا ہے۔ پس اس مضمون کو جب ہم روحانی دنیا میں دیکھتے ہیں تو تمام وہ لوگ جو تکبر رکھتے ہیں وہ ہمیشہ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ جب سے دنیا بنی ہے نبوت کا سب سے زیادہ شدت سے انکار رہا ہے۔ یہ وہم کہ یہ کوئی نیا رجحان پیدا ہوا ہے اور اس رجحان کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین قرار دیا اس کے بعد سے ختم نبوت کا تصور پیدا ہوا ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یوسف کو بھی تم نے بڑے دکھ دئے تھے۔ پہلے تو قبول نہیں کرتے تھے لیکن جب قبول کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا، وہ چلا گیا، تو پھر تم نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ اب اس کے بعد خدا اور کسی کو نہیں بھیجے گا۔

یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نبوت کا انکار ہمیشہ ہوا ہے اور اس کی راہ میں تکبر حائل ہوا کرتا ہے۔ اس مضمون کو یہ آیت کھول رہی ہے۔ سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِيَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں ان کے سامنے میرے نشان کھلے کھلے آتے ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے، میں ان کے منہ پھیر دیتا ہوں۔ میں ان کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ ان نشانات کی راہوں سے مجھ تک رسائی پائیں۔ پھر فرمایا۔ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا قرآن کریم میں اسی مضمون کو ایک اور جگہ بیان فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۱۰ (الانعام:۱۱۰)

کہ خدا کے ہاں تو بے شمار راہیں ہیں جو آیات کی صورت میں بکھری پڑی ہیں لیکن تمہیں کیا

سمجھائیں کس طرح ہم تمہیں عقل دیں کہ جب وہ نشانات ظاہر ہوں گے تم نہیں دیکھ سکو گے۔ تم پھر بھی انکار کرتے چلے جاؤ گے۔ یہ مرض کیا ہے؟ یہ آیت جس پر ہم غور کر رہے ہیں یہ بتاتی ہے کہ تکبر کی مرض ہے۔ كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وہ دیکھیں گے ہر قسم کے نشانات لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا لیکن بدنصیبوں کو یہ توفیق نہیں ملے گی کہ ان آیات سے فائدہ اٹھا کر ایمان حاصل کر لیں۔ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ہاں ہر بھلائی کی راہ دیکھ کر اس سے ان کے قدم رک جائیں گے۔ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ہاں جب وہ ٹیڑھی اور کج راہیں دیکھیں گے تو ان پر آگے قدم بڑھائیں گے اور تیزی کے ساتھ ان کو قبول کریں گے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کر دیا ہے۔ وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ اور وہ اس سے غفلت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔

پس متکبر قوموں کے لئے کچھ بھی بھلائی باقی نہیں رہتی اور ان کی یہ پہچان بن جاتی ہے کہ وہ عقل کی بات دیکھ کر اس سے رک جاتے ہیں اور غلط اور کج بات دیکھ کر اس میں آگے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس ایسی قومیں دن بدن اپنی اخلاقی، سیاسی، معاشی، تمدنی، اقتصادی ہر پہلو سے انحطاط پذیر ہو جاتی ہیں کیونکہ تکبر کے نتیجے میں جب وہ خدا کے عرفان سے غافل رہ جاتے ہیں یا حجاب پیدا ہو جاتا ہے تو چونکہ نور در اصل اللہ ہی کا نور ہے، اس لئے ان کی عقلوں میں دوسرے نور کو پہچاننے کی بھی استطاعت باقی نہیں رہتی۔ پھر فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ (الاعراف:۲۰۷)

اس کے برعکس وہ لوگ جو تیرے رب کے حضور ہیں۔ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وہ خدا کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے حضور سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ پس یہ جو سجدہ ہے، یہ روح کا سجدہ ہے، رجحان کا سجدہ ہے یہ اپنے تعلقات کا ایک سجدہ ہے۔ جو عارضی طور پر اختیار نہیں کیا جاتا کہ سجدہ کیا اور پھر سجدے سے الگ ہو گئے۔ یہ وہ دائمی سجدہ ہے جس میں ایک غیر متکبر اور عاجز بندہ خدا کے

حضور پڑا رہتا ہے۔ اسی لئے اس آیت نے بڑے ہی حسین انداز میں خدا کے حضور ان کی حاضری کا مضمون بیان فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اے محمد ﷺ وہ لوگ جو تیرے رب کے حضور رہتے ہیں ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

پس لقاء جو ہے وہ رب کے حضور رہنا ہی تو ہے۔ لقاء کے مضمون کو سمجھنے کے لئے عجز کا مضمون سمجھنا چاہئے اور اس کے برعکس تکبر کا مضمون سمجھنا چاہئے۔ عجز کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور تکبر کی ہر شکل سے نجات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق کے بغیر انسان اپنے نفس کے تکبر سے آگاہ ہی نہیں ہو سکتا۔ جب اس کو علم ہی نہیں ہوگا کہ مجھ میں کس کس رنگ کا تکبر پایا جاتا ہے تو کیسے وہ اس تکبر سے بچ کر وصل کی راہ تلاش کرسکتا ہے۔ قرآن کریم نے جو فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) وہ لوگ جو ہماری راہوں پر قدم بڑھاتے ہیں۔ ہماری خاطر مختلف راہوں سے چل کے آتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی ذات کی طرف چلے آنے کی توفیق عطا کرتے ہیں۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں ایک جوابی دعا کے رنگ میں یا بے اختیار خواہش کے رنگ میں پایا جاتا ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں۔

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں
وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

کیسی بے اختیار عشق کی آواز ہے۔ اے میرے آقا! میں جانتا ہوں کہ بہت سی راہیں ہیں لیکن اتنی راہیں کہ دل جس طرح Excitement کی وجہ سے مرتعش ہو گیا ہے۔ اس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا ہے، کس کو پکڑوں میں اس کو، اس کو، کن کن راہوں سے تیرے حضور حاضر ہوں۔ یہ جو عشق کی بے اختیار آواز ہے اس کے پیچھے ایک بہت گہری تڑپ پائی جاتی ہے۔ کوئی انسان جسے ادنیٰ سا بھی نفسیات کا شعور ہو، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس شعر کو سننے کے بعد آپ کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کرسکتا کہ یہ شخص نعوذ باللہ جھوٹا ہے، خدا پر جھوٹ بولنے والا شخص ہے۔ یہ بے قرار تڑپ گہری سچائی کے نتیجے میں نصیب ہوتی ہے اور گہرے عشق کے نتیجے میں نصیب ہوتی

ہے۔ اس کو آپ جتنی دفعہ پڑھیں، آپ پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کی اس تڑپ کا تصور نہیں باندھ سکتے کیونکہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ تجربہ ضروری ہے۔ فرماتے ہیں۔

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں
وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

وہ شخص جس کی ساری زندگی خدمت میں وقف ہو، جس کی ہر راہ خدا کی طرف جانے والی ہو اس کے دل کا یہ حال ہے:

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں

اس کو عجز کہتے ہیں۔ حقیقی عجز یہ ہے۔ عرض کرتے ہیں۔

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں
خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
محبت چیز کیا کس کو بتاؤں
وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں
یہی بہتر ہے کہ خاک اپنی اڑاؤں
کہاں ہم اور کہاں دنیائے مادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(درثمین صفحہ:۵۴)

پس یہ جو عجز کا مضمون ہے کہ اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام نے عشق سے باندھ دیا ہے اور تمام راہوں کا خلاصہ جو خدا کی طرف لے کر جاتی ہیں ان چند شعروں میں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سچے عجز کی راہ سچی محبت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی اور یہی وہ عجز کی راہ ہے جس کی تلاش میں ہمیں سرگرداں رہنا چاہئے۔ جس کے لئے ہمیں اس رمضان میں خصوصیت سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ ہمیں سچا عجز نصیب ہو اور تکبر کا ہر پہاڑ ہمارے وجود میں سے ملیا میٹ ہو جائے اور ہماری زمین خدا کے حضور اس طرح بچھ جائے جس طرح روح بعض دفعہ خدا کے حضور اس کی محبت میں بچھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح ہمارا سارا وجود خدا کے لئے ہمیشہ بچھ جائے اور یہ

وہی مضمون ہے جسے مستقل سجدے کے مضمون کے طور پر قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔

جہاں تک راہوں کا تعلق ہے، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ عجز کی راہ کہنے کو تو آسان لفظ ہے مگر اسے پہچاننا مشکل کام ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ جب تک ایک عارف باللہ عاجز سے عجز کا مضمون سیکھا نہ جائے، اس وقت تک انسان کو یہ راہ نصیب نہیں ہوسکتی۔ مختلف راہوں میں جو سب سے بنیادی راہ ہے وہ عجز کی ہے لیکن اس کا عرفان انبیاء سے حاصل ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ تبھی قرآن کریم انبیاء کو وسیلے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یعنی یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کریم نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو ایک وسیلے کے طور پر پیش فرمایا ہے اور تمام دوسرے انبیاء بھی اپنے اپنے وقتوں میں اپنے وسیلے ہونے کا مضمون اپنے متبعین کے سامنے رکھتے ہیں۔ پس جو راہیں انبیاء اختیار کرتے ہیں ان راہوں سے گزر کر خدا ملے گا اور انبیاء نے ہمیشہ عجز کی راہوں سے خدا کو پایا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جسے آپ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ عرض کیا کہ ''ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں'' تو جواباً اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ **''تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں''** (تذکرہ صفحہ: ۵۹۵) کیسا پیارا جواب ہے۔ جس طرح تو نے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے۔ جس عاجزی کے ساتھ تو میرے حضور بچھ گیا ہے۔ یہی تو راہ ہے جس کی مجھے تلاش تھی، یہی تو راہ ہے جو مجھ تک پہنچاتی ہے۔ پس تیرے سوال میں ہی تیری بات کا جواب موجود ہے۔ تو کہتا ہے کہ اے میرے مولا! ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں۔ میں بتاتا ہوں کہ یہی راہیں جو مجھے پسند ہیں۔ انہیں راہوں پر چلتا رہ۔ یہ تیری عاجزانہ راہیں ہیں جو مجھے پسند آئی ہیں۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو بھی جب وسیلہ فرمایا گیا تو ہم اس مضمون پر غور کرتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ وسیلہ کہنے کے باوجود جب خدا یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ جو محمدؐ کی راہ ہے اس راہ سے مجھ تک آؤ۔ اس رستے سے مجھ تک پہنچو تو آنحضرت ﷺ خود اپنے متعلق کیا سوچتے ہیں اور کیا طرز عمل اختیار فرماتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے یا ان لوگوں کو جنہوں نے اذان کے بعد کی دعا سنی ہوئی ہے، وہ کم سے کم جانتے ہیں کہ اس دعا میں حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں یہ سکھایا کہ تم میرے لئے بھی دعا کیا کرو اور یہ دعا کیا کرو۔ **اللھم ات محمدا الوسیلة و الفضیلة و الدرجة الرفیعة وابعثه مقاما محمود الذی وعدته** (بخاری کتاب الاذان حدیث نمبر: ۵۷۹) کہ اے ہمارے آقا!

تو ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کو وسیلہ عطا کر اور فضیلت عطا کر اور وہ درجہ رفیعہ عطا فرما اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔

اب جسے وسیلہ بنایا گیا ہے اس کے عجز کا یہ عالم ہے کہ جن لوگوں کے لئے وسیلہ ہے ان سے کہتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو کہ خدا تعالیٰ مجھے واقعی وسیلہ بنا دے۔ اس سے زیادہ عجز کا مقام متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ خدا کا قطعی وعدہ ہے کہ ہم تجھے مقام محمود ضرور عطا کریں گے اور خدا کا یہ وعدہ سننے کے بعد، جاننے کے باوجود کہ میرے حق میں یہ وعدہ ہے پھر وہ اپنے غلاموں کو نصیحت کرتا ہے کہ میرے لئے دعا کیا کرو کہ خدا واقعی مجھے مقام محمود عطا کرے۔ پس نبوت کی کنہ کو سمجھنے کے لئے عجز کے مقام کو سمجھنا چاہئے۔ **حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ میرے ایمان کے مطابق تمام بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ عاجز بندے تھے** اور یہ جو دعا ہے اس قسم کی دعا آپ کو دنیا کے کسی اور نبی نے نہیں سکھائی۔ مذاہب کے مطالعہ میں کم سے کم میرے علم میں ایسی کوئی دعا نظر نہیں آتی حالانکہ دوسروں کو بھی وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا یہ قول ہمیں ملتا ہے کہ

''راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا''

لیکن ایسی کوئی دعا نہیں ملتی جس میں اپنے غلاموں کو انہوں نے یہ نصیحت کی ہو کہ میرے لئے دعا کیا کرو کہ جو وسیلہ خدا نے مجھے بنایا ہے اور جو راہ بنایا ہے وہ واقعۃً اپنے تمام تر معانی کے ساتھ مجھے نصیب ہو جائے۔

پس وسیلہ ہونا اپنی ذات میں ایک بڑا گہرا مضمون ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے تعلق قائم کئے بغیر یہ وسیلہ نہیں نصیب ہوسکتا اور یہ تعلق جس طرح آنحضرت ﷺ کو اپنے رب سے عاجزانہ تھا، اسی طرح آپؐ کی امت کا فرض ہے اور اس کے بغیر راہ کوئی نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اپنے تعلق کو عاجزانہ بنا دے اور اپنے وجود کو آنحضورؐ کے وجود کے سامنے بچھا دے گویا کہ کلیۃً آپؐ کی بادشاہی کو قبول کر لے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی وسیلہ کے مضمون کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ واللہ ان محمدا کردافۃ
وبہ الوصول بسدۃ السلطان (القصائد الاحمدیہ صفحہ:۶)

خدا کی قسم! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو خدا تعالیٰ کے وزیر اعظم ہیں۔ وَبِہٖ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ اس بادشاہ یعنی خدا تعالیٰ کی چوکھٹ پر اس وزیر اعظم کے وسیلے سے پہنچا جائے گا۔ اگر وزیر اعظم کی طرف سے حکم نصیب نہ ہو، اجازت نامہ نصیب نہ ہو تو کون ہے جو بادشاہ کی چوکھٹ تک پہنچتا ہے۔ پس آنحضرتؐ سے ایک تعلق لازمی ہے اور وہ تعلق اسی طرح عاجزانہ ہونا چاہئے جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا تعلق عاجزانہ تھا۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا بندوں سے بھی ایک عاجزانہ تعلق تھا اور اس مضمون کو سمجھیں گے تو پھر آپؐ کے وسیلہ ہونے کا مضمون زیادہ سمجھ آجائے گا۔ اپنے غلاموں کو دعا کے لئے کہنا ان باتوں میں دعا کے لئے کہنا جن کا حتمی طور پر فیصلہ شدہ ہونا معلوم ہو چکا تھا یہ اپنے غلاموں کے سامنے ایک عاجزانہ تعلق کا اظہار ہے۔ حضرت عمرؓ کو ایک موقعہ پر کہا۔

بھائی! میرے لئے دعا کرنا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۱۲۸۰) پس آنحضرت ﷺ کا خدا تعالیٰ سے جو عاجزانہ تعلق تھا۔ اس کے ساتھ بنی نوع انسان کے ساتھ بھی ایک عاجزانہ تعلق تھا اور غریبوں سے ایک گہرا تعلق تھا۔ پس محض ایک رومانی عشق کا اظہار کافی نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ اگر وسیلہ بنیں گے تو ان لوگوں کے لئے بنیں گے جو آپ کے وسیلہ ہونے کے مضمون کو سمجھتے ہیں اور ان راہوں سے آپ کے پاس پہنچتے ہیں جو راہیں آپ نے خود ہمیں دکھائی ہیں۔ ان میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عاجزانہ راہیں ہیں جو ہر سمت میں عاجزی کے ساتھ چلتی ہیں۔ بنی نوع انسان سے بھی عاجزانہ تعلق ہے اور خدا سے بھی عاجزانہ تعلق ہے اور جہاں تک خدا کے غریب بندوں کا تعلق ہے ان میں اتر کر دراصل آپ نے خدا کو پایا ہے خدا کے مصیبت زدہ بندوں کی راہ سے آپ نے خدا کے وجود کو پایا۔ اس بات کا قطعی ثبوت اس واقعہ میں ملتا ہے جو نبوت کے حصول کے معاً بعد پیش آیا۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو جب نبوت کے مقام پر فائز فرمایا گیا اور پہلی وحی نازل ہوئی تو جب آپؐ بہت سخت خوفزدہ حالت میں کہ یہ کیا واقعہ مجھ سے گزر گیا ہے گھر واپس لوٹے اور اس واقعہ کا اس قدر گہرا اثر تھا کہ آپؐ شدت سے کانپ رہے تھے اور سخت سردی محسوس کر رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو چادریں اوڑھائیں یا لحاف ڈالے، جس قسم کی بھی اس وقت سہولت تھی تن ڈھانپنے کی۔ اس کے بعد آپؐ کے خوف دور کرنے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ آپؐ کے ساتھ خدا کا جو سلوک ہے وہ محض

آپؐ کا وہم نہیں ۔ یہ کوئی اور واقعہ نہیں ہو رہا بلکہ اس کی ایک ٹھوس وجہ موجود ہے ۔ جس قسم کے آپؐ ہیں ان سے خدا ایسے ہی سلوک کیا کرتا ہے یعنی آپ کو جو نبوت عطا ہوئی ہے یہ تو بہر حال وھی ہے لیکن آپ یہ عرض کر رہی تھیں آنحضورﷺ کی خدمت میں آپؐ کے اندر وہ صفات موجود ہیں جن کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور پھر ایسے بندوں کو نبوت عطا کرتا ہے ۔ وہ صفات کیا ہیں؟ عرض کیا ۔

انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (بخاری کتاب الوحی حدیث نمبر :۲) کہ اے محمدﷺ! کلّا واللّٰہ ما یخزیك اللّٰہ ابدا ہرگز نہیں ۔ خدا کی قسم ! خدا تجھ جیسوں کو کبھی ضائع نہیں کیا کرتا ۔ کسی قسم کا خوف نہ کھائیں ۔ آپ وہ نہیں ہیں جو ضائع کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ اگر آپؐ ضائع کر دیئے جائیں تو دنیا سے تمام نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی ۔ پھر غریبوں ، مجبوروں ، یتیموں ، بے سہاروں کا پوچھنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا ۔ انك لتصل الرحم تو وہ شخص ہے جس نے رشتوں کے احترام قائم کر دیئے ہیں ۔ جس نے بہن کو بھائی سے محبت کرنی سکھا دی ہے ، بیٹوں کو ماں کی عظمت بتائی ، ماں باپ کو اپنے بیٹوں سے تعلق سمجھایا ۔ سارے رشتے جو ادب اور احترام اور پیار اور محبت کے تقاضے کرتے ہیں وہ آپؐ نے قائم کئے ہیں حالانکہ ابھی نبوت نصیب نہیں ہوئی تھی ۔ وتحمل الکل ۔ وہ خدا کے بندے جن کی کمریں بوجھوں سے ٹوٹ رہی تھیں ۔ کوئی ان کا بوجھ اٹھانے والا نہیں تھا ۔ تحمل الکل ۔ تیری عادت بن چکی ہے تو آگے بڑھتا ہے اور ایسے مظلوموں کے بوجھ اٹھا لیتا ہے ۔ وتکسب المعدوم ۔ اور وہ تمام اخلاق جو دنیا سے معدوم ہو چکے تھے ان میں سے ایک ایک کو تو اپنی روزانہ کی زندگی میں زندہ کرتا چلا جا رہا ہے ۔ وتقری الضیف ۔ تو بے حد مہمان نواز ہے ۔ اور مہمانوں کے ساتھ بہت ہی حسن سلوک کرنے والا ہے ۔ وتعین علی نوائب الحقّ اور آسمان سے جو بلائیں نازل ہوتی ہیں بنی نوع انسان پر ، تو آگے بڑھتا ہے اور ان بلاؤں میں ان کے ہاتھ بٹاتا ہے اور ان کے دکھ بانٹتا ہے ۔

پس دیکھیں ! وسیلہ جس کو بنایا گیا ہے خود وہ خدا تک کن راہوں سے پہنچا تھا ۔ وسیلہ بنا کیسے؟ وسیلہ بنا ہے خدا کے بندوں کے ساتھ تعلق قائم کر کے ۔ تب اُس نے خدا کو پایا ہے ۔ یہ وہ راہیں ہیں جن راہوں سے خدا کا وصال اسے نصیب ہوا اور ایسا وصال کہ ہمیشہ کے لئے اس کو دنیا کے لئے وسیلہ

بنا دیا گیا۔ پس خدا سے تعلق اور بندوں سے روگردانی خدا کی محبت اور خدا کے پیار کی جستجو اور بندوں سے بے مہر ہو جانا اور اپنی محبتیں ان پر سرد کر دینا یہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ یہ کبھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔

پس اس رمضان المبارک میں یہ بھی یاد رکھیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک میں اس طرح خیرات کیا کرتے تھے، اس طرح غریبوں کے دکھ بانٹا کرتے اور ان کے لئے آسائشیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپؐ تو بادصبا کی طرح ہمیشہ ایک چلنے والے فیض پھیلانے والے وجود تھے، ہمیشہ ہی چلا کرتے تھے لیکن رمضان کے دنوں میں تو یوں لگتا تھا جیسے یہ بادصبا آندھی بن گئی ہے (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر :۱۷۶۹)۔ اس کثرت سے آپ فیض پھیلاتے تھے۔

پس میں نے جو جماعت کو پہلے بھی ایک دفعہ توجہ دلائی تھی کہ اپنی عید میں بھی غریبوں کو شامل کریں۔ میں اس ضمن میں اس کی یاددہانی بھی کرواتا ہوں۔ اس رمضان المبارک میں اپنے نفوس کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کا کس حد تک اللہ کے بندوں سے تعلق ہے۔ خدا کے بندوں کے لئے اپنے وجود کو جھکائیں اور پھر دیکھیں کہ کس طرح خدا کی رحمت آپ کی طرف جھکتی ہے۔ آپ خود آسمانوں کی طرف نہیں اٹھ سکتے۔ ہاں آسمانوں والا اگر جھک کر آپ کو اٹھالے تو پھر آپ اٹھائے جائیں گے۔ اس مضمون کو سمجھنے کے بعد اگر بنی نوع انسان کے تعلقات میں آپ وہ حسن پیدا کریں جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے تعلقات میں تھا۔ جس نے آپ کو رفعتیں عطا کیں، جس نے آپ کو وسیلہ بنا دیا۔ تو پھر آپ لقاء کی ایک توقع رکھنے کے حقدار بن جائیں گے۔ پھر خدا بہتر جانتا ہے کہ کس حد تک آپ اس کی نگاہ میں حقدار ہیں کہ نہیں لیکن کم سے کم اپنی نظر میں تو آپ ایک معقول طریق پر سوچ سکتے ہیں کہ ہاں میں بھی شاید لقاء والوں میں داخل کر لیا جاؤں لیکن اس کے بغیر نہیں۔ اس کے بغیر یہ محض کہانیاں ہیں، محض جذباتی خیال کی باتیں ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑی محبت ہے۔ بڑا عشق ہے۔ لیکن جب راہیں اختیار کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ راہیں اختیار نہیں کی جاتیں۔

میں نے بارہا نصیحتیں کی ہیں کہ اپنے خاندانی تعلقات کو بہتر کریں۔ اپنے روزمرہ کے تعلقات میں سوچیں کہ صلہ رحمی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ کس طرح میں نے بار بار آپ کو سمجھایا ہے کہ ساسوں کو چاہئے کہ دوسروں کی بیٹیاں جب اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھر میں آجاتی ہیں تو وہ ان پر رحم کیا

کریں اپنی بیٹیاں سمجھا کریں اور بہوؤں کو سمجھایا ہے کہ تم اپنے دوسرے گھروں میں جا کر اپنی ماں کی طرح سلوک کیا کرو لیکن اس کے باوجود لوگ سنتے ہیں اور شاید دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں یا سنتے ہی نہیں اور محض ظاہری طور پر کانوں کے پردے مرتعش ہوتے ہیں کیونکہ یہ شکایتیں پھر بھی آتی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے تکلیف دہ خط بعض بچیوں کے ملتے ہیں کہ ہم گئیں تو ہماری جو نسبتی بہنیں ہیں وہ اس طرح سلوک کرتی ہیں گویا کہ میں نے ان کے بھائی پر ڈاکہ ڈالا ہوا ہے اور وہ جب تک مجھے ذلیل و رسوا نہ کر دیں کہ یہ ہمارا زیادہ ہے اور تمہارا کم ہے اس وقت تک ان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ ساسیں ہیں جو ہر وقت ہمارے خاوندوں کے کان بھرتی رہتی ہیں۔ کئی خطوط اس قسم کے ملتے ہیں کہ جب تک تم اس کو رسوا کر کے ذلیل کر کے میرے سامنے جھکاؤ نہیں تم میرے بیٹے نہیں اور اس میں یہ نقص ہے اور اس میں وہ نقص ہے۔ اس کے برعکس دوسری طرف سے بھی شکایتیں ملتی ہیں تو وہ راہیں کون سی تھیں جن راہوں سے آنحضرت ﷺ نے خدا کو پایا۔ ان میں سے ایک راہ صلہ رحمی کی راہ تھی۔ اپنے خاندانی تعلقات کو درست کیا اور کوئی رشتے دار آپ ﷺ کا انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ کبھی بھی حضور اکرم ﷺ سے اس کو کسی قسم کی جائز شکایت پہنچی ہو۔

پھر دوسروں کے بوجھ اٹھانا ہیں۔ **تکسب المعدوم** ۔ مٹے ہوئے اخلاق کو زندہ کرنا ہے نہ کہ زندہ اخلاق کو مٹا دینا ہے۔ آج دنیا میں احمدیت اور غیر احمدیت کا یہ فرق ہے جو ظاہر ہونا چاہئے۔ کروڑ ہا انسان ایسے ہیں جو آج ان اخلاق کو جو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے پائے، مٹانے کے درپے ہیں اور اس طرح ملیا میٹ کر رہے ہیں کہ دیکھتے دیکھتے ہماری گلیوں، ہمارے شہروں کو چوں، ہمارے گھروں کے چہروں سے وہ اخلاق مٹتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ بداخلاقی سیاہی کی صورت میں آپ کو دیواروں پر دکھائی دے گی، ہر قسم کے گندے کلمات وہاں لکھے ہوئے دکھائی دیں گے، ہر قسم کی گندی تصویریں وہاں دکھائی دیں گی۔ لیکن یہ ظاہری تصویریں نہیں ہیں۔ یہ دلوں کی تصویریں ہیں جو اچھل اچھل کر باہر نکل رہی ہیں۔ اخلاق معدوم ہو رہے ہیں۔ پس احمدی اگر اخلاق کو قائم نہیں کریں گے تو کیسے خدا کو پائیں گے۔ ایک ایسا شخص جو اپنی بدخلقی سے باز نہیں آتا۔ گندی زبان استعمال کرتا چلا جاتا ہے، اپنے بھائی سے حقارت سے پیش آتا ہے، اپنے بیوی بچوں سے ظلم کا سلوک کرتا ہے اور تلخی سے ان سے باتیں کرتا ہے۔ خیال نہیں کرتا کہ ان کے بھی دل ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے

بھی جذبات اور احساسات ہیں۔ پھر وہ باتیں لقاء کی کر رہا ہو یہ باتیں کرے رمضان المبارک میں اے خدا! مجھے اپنا لقاء نصیب کر دے، **جسے ان کا لقاء نصیب نہیں جو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں اسے خدا کا لقاء کیسے نصیب ہوسکتا ہے؟ پس جو ساتھ ہیں ان کا عرفان حاصل کریں ان کا لقاء حاصل کریں۔ پھر یاد رکھیں کہ یہ وہی راہ ہے جس راہ پر چل کر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنے رب کو پایا تھا۔**

یہ ہے وسیلہ ہونے کا مضمون اس کو سمجھیں گے تو وہ آپ کے لئے وسیلہ بنیں گے۔ اگر نہیں سمجھیں گے تو محض کہنے سے اور محض زبان سے درود پڑھنے سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ آپ کے لئے وسیلہ نہیں بن سکتے۔ تَقْرِیُ الضَّیْفَ ۔ یہ وہ مضمون ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں نسبتاً بہتر حالت میں پایا جاتا ہے۔

اکرام ضیف کا جہاں تک تعلق ہے بسا اوقات یہ اطلاعیں ملتی ہیں اور کثرت سے کہ اس طرح احمدیوں نے ہماری مہمان نوازیاں کی ہیں کہ عقل دنگ رہ گئی ہے اس لئے اس مضمون کو میں چھوڑتا ہوں۔ یہ صرف کہوں گا کہ دعا کیا کریں کہ یہ خوبی جو ہم نے لنگر خانوں سے سیکھی ہے جو قادیان میں آنے والوں سے سیکھی اور قادیان میں میزبانوں سے سیکھی یہ خدا ہمیشہ ہم میں جاری اور زندہ رکھے اور کبھی بھی اس خوبی کو مٹنے نہ دے۔

وتعین علی نوائب الحق۔ اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جن کا بس نہیں چلتا کوئی ایسی مصیبت، آفت پڑ جاتی ہے کہ وہ گر جاتے ہیں ان کو اٹھانے کی کوشش کیا کریں۔

پس عید میں جہاں آپ اپنے خاندان کے ساتھ خوشیاں منائیں گے میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو چھوڑ دیں ان کا بھی اپنا حق ہے، ان خوشیوں کو ضرور قائم رکھیں، ان روایات کو زندہ رکھیں لیکن جہاں تک ممکن ہو کچھ وقت غرباء کے لئے بھی نکالیں کچھ نعمتیں ان کے سامنے بھی پیش کریں تا کہ وہ بھی آپ کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔ اس ضمن میں میں آخری بات یہ سمجھانی چاہتا ہوں کہ خوشیوں میں شریک کرنا اور بات ہے اور کسی کے غم میں شریک ہونا اور بات ہے اور یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔ بہت سے امیر ایسے ہیں اور خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ میں کثرت سے ایسے ہیں جو چندوں کے علاوہ اور دینی خدمات کے علاوہ مسلسل غرباء پر کچھ خرچ کرتے ہیں، صدقات کی صورت میں بھی اور ذاتی طور پر اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کے ذریعے بھی۔ اس کو کہتے ہیں اپنی خوشیوں

میں دوسروں کو شریک کرنا۔لیکن غم میں شریک ہونے والا مضمون اس سے کچھ مختلف ہے اور نفس کی اصلاح کیلئے یہ بہت ہی ضروری ہے جب ربوہ میں پہلی مرتبہ میں نے یہ نصیحت کی تھی اس عید میں آپ اپنی خوشیوں میں دوسروں کو شریک کریں تو ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ ان کے گھروں پر بھی جائیں اور ان کے حالات دیکھیں پہلی دفعہ ان لوگوں کو جو ہمیشہ سے نیکی کرنے والے تھے واقعۃً آنکھوں کے سامنے لوگوں کے دکھ نظر آئے۔اس قدر مغلوب ہوئے ہیں بعض لوگ کہ مجھے انہوں نے لکھا کہ ہم بتا نہیں سکتے کہ کیسا دکھ ہم نے محسوس کیا تھا۔کیسا اپنے آپ کو گنہگار سمجھا۔جن گھروں کو ہم سمجھتے تھے کہ ہم نے کبھی تحفے بھیج دیئے۔ بڑے خوش ہوگئے بہت ان کی خدمت کر دی۔ جب قریب جا کر دیکھا تو کیسی ترسی ہوئی حالت میں ان کے بچوں کو پایا ہے، کیسے دکھوں میں ان کو دیکھا ہے۔ان کے گھروں کی حالتیں دیکھی ہیں اور ہمارے اندر تو ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے۔

پس صرف خوشیوں میں شریک نہیں ہونا،غموں میں شریک ہونا ہے اور ایک عید میں نہیں بلکہ ہمیشہ آپ بنی نوع انسان کے غموں میں شریک ہونے کی کوشش کریں۔اپنے محلوں سے اتریں اور غریبوں کی کٹیاؤں میں جائیں،ان کو قریب سے دیکھیں،ان کے اصلاح احوال کی کوشش کریں۔ لجنات ہیں ان میں سے خصوصیت سے وہ امیر بہنیں جو نیکی کا جذبہ رکھتی ہیں اور اللہ کے فضل کے ساتھ کرتی چلی جاتی ہیں۔کبھی وہ ایک ایسی کلب بھی بنائیں کہ غریبوں کے محلوں میں جا کر (آج کل کے لحاظ سے مناسب احتیاطوں کے ساتھ یقیناً) دیکھیں،ان کے حالات کا جائزہ لیں۔ان سے پوچھیں کہ آپ کا بجٹ چلتا کس طرح ہے۔کیا کرتے ہیں بچے کپڑے کیسے پہنتے ہیں۔کیا کھاتے ہیں اور پھر ان کو سمجھائیں کہ اس طرح تم کرو، یہ احتیاطیں کرو، یہ ضیاع نہ کرو۔صرف یہی نہیں بلکہ پھر ان کی مدد کریں۔ان کو بتائیں کہ اس معاملے میں آپ کے پاس غسل خانہ کوئی نہیں ہے، پردہ کوئی نہیں ہے، ٹائیلٹ کا انتظام اچھا نہیں ہے، بیماری کے وقت میں گھر میں ایک عذاب بن جاتا ہے۔ یہ جو ضروری چیزیں ہیں ان میں ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم ان چیزوں میں عملاً آپ کی ٹھوس مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔آپ کو یہ چیزیں بنا دیتے ہیں یا زائد مدد دے دیتے ہیں جن سے آپ کو سہولت حاصل ہو جائے۔

یہ وہ طریق ہے جس سے آپ صرف اپنی خوشیاں نہیں بانٹیں گے بلکہ لوگوں کے دکھ بھی

بانٹیں گے اور آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی صرف خوشیاں بانٹنے میں نہیں گزری، دکھ بانٹنے میں گزری ہے اور ایسا دکھ بانٹا ہے کہ خدا نے آپ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے آپ کو ان کے غم میں ہلاک نہ کر لینا۔ **یہ وہ وسیلہ ہے جو ہمیں عطا کیا گیا ہے۔ یہ وہ عاجزانہ راہیں ہیں جو ہمیں دکھائی گئی ہیں۔ ان راہوں پر آپ چلیں تو قرآن کے الفاظ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو ضرور لقاء نصیب ہوگا۔ یہ وہ راہیں ہیں جو ناکام اور نامراد نہیں رکھا کرتیں۔ یہ ضرور اپنے محبوب کے در تک آپ کو پہنچا کر چھوڑیں گی۔**

پس یہ رمضان نہ گزرنے دیں جب تک دعاؤں کے ذریعے اور ان اعمال کے ذریعے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ہم خدا کو پا نہ لیں اور یقین نہ کر لیں کہ اس خدا کو ہم نے دیکھ لیا اور اس خدا نے ہمیں دیکھ لیا اور ہم نے اس کی لقاء کی جنت کو حاصل کر لیا ہے۔

خدا کرے یہ ابدی جنتیں ہمیں نصیب ہوں۔ اگر ہم لقاء کی جنت کو اس دنیا میں پالیں تو دنیا کا کوئی غم ہمیں ڈرا نہیں سکتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۳) یہ وہ صاحب لقاء ہیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ خبردار! خدا کے اولیاء کو تم کیسے ڈرا سکو گے۔ تم کیسے ان کو دکھ پہنچا سکتے ہو۔ یہ ابدی جنتوں میں بس رہے ہیں۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کوئی خوف اب ان پر غالب نہیں آسکتا۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور کوئی نقصان ان کو حزیں بنا کر نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ ہمیشہ یہ خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔